کیا قائداعظم سیکولر تھے؟ قائداعظمؒ کی نجی اور سیاسی زندگی پر ایک نظر

ڈاکٹر صفدر محمود

سوال یہ ہے کہ کیا بانی پاکستان قائداعظم محمد جناحؒ سیکولر تھے؟ سیکولر کے لغوی معنی ہیں لادین، لامذہب، دنیاوی لیکن عام مفہوم کے مطابق سیکولر ایسے شخص کو سمجھا جاتا ہے جو دین اور دنیا کو الگ الگ تصور کرتا ہو۔ یعنی مذہب کو محض ذاتی معاملہ سمجھتا ہو اور قومی سیاست کو اپنے مذہب یا دین سے بالکل پاک اور علیحدہ رکھنے کا قائل ہو۔ اس ضمن میں مغربی ممالک کی مثال دی جاتی ہے جہاں چرچ اور ریاست جدا جدا ہیں اور سیاست پر مذہب کی پرچھائیں نہیں پڑتیں۔ پاکستان میں ایک عرصے سے یہ بحث جاری ہے کہ کیا قائداعظم پاکستان میں سیکولر نظام قائم کرنا چاہتے تھے؟ ایک اقلیتی دانشور حلقہ یہ ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے کہ قائداعظم پاکستان کے سیاسی ڈھانچے کو اسلام سے بالکل پاک اور صاف رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک قیام پاکستان کا مقصد ایک سیکولر جمہوری ریاست کا قیام تھا۔ یہاں اقلیتی حلقہ سے مراد چھوٹا گروہ ہے۔ دوسری طرف اکثریتی حلقے کا اصرار ہے کہ پاکستان اسلام کی بنیاد پر ہی معرض وجود میں آیا تھا، مذہب ہی پاکستان کے مطالبے کا طاقتور ترین محرک تھا اس لیے پاکستان کے ریاستی ڈھانچے اور آئین و سیاست کی بنیاد اسلامی اصولوں پر استوار کر کے ہی تصور پاکستان کو شرمندہ تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ نظریاتی حلقے کے دانشوروں کا خیال ہے کہ اگرچہ تحریک پاکستان کے محرکات میں معاشی، سیاسی، سماجی اور تاریخی عوامل وغیرہ نے اہم کردار سرانجام دیا لیکن ان میں سب سے زیادہ موثر محرک مذہب کا تھا جس کے سبب عوام نے بے پناہ قربانیاں دیں، صعوبتیں برداشت کیں، آگ اور خون کے سمندر سے گزر کر پاکستان پہنچے۔ اس سے قطع نظر اگر پاک و ہند کے مسلمانوں کے اجتماعی لاشعور کا تجزیہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے ذہنوں میں یہ احساس پوری طرح جاگزیں ہو چکا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں اور اسلام کی صحیح معنوں میں بقاء کے لیے ایک مسلمان ریاست کا قیام ضروری ہے۔ دراصل یہ احساس ہندوستان میں مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ کے تجربات کا نتیجہ تھا۔ خود قائداعظمؒ نے بھی اپنی تقریروں میں یہ بات کئی بار کہی۔

کسی بھی شخصیت کے نظریات اور تصورات کو سمجھنے کے لیے اس کی ذاتی زندگی میں جھانکنا اور اس کی عوامی زندگی کا مطالعہ ناگزیر ہوتا ہے اور عوامی زندگی کو سمجھنے کے لیے تقریریں، تحریریں، رجحانات اور سرگرمیاں مشعل راہ کا کام دیتی ہیں۔ مثلاً ہم نے قائداعظم کی ہر سوانح عمری میں یہ واقعہ پڑھا ہے کہ جب وہ لندن میں بیرسٹری کے لیے داخلہ لینا چاہتے تھے تو انہوں نے لنکنز ان کو اپنی درسگاہ کے طور پر اس لیے منتخب کیا کہ لنکنز ان میں دنیا کے عظیم ترین آئین یا نظام قانون دینے والوں کی فہرست میں ہمارے نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی بھی شامل تھا۔ چنانچہ قائداعظم نے اس سے متاثر ہو کر لنکنز ان میں داخلہ لیا اور بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ چونکہ اس واقعہ کا انکشاف خود قائداعظم نے کراچی میں عید میلاد النبیؐ کے موقع پر کیا تھا اس لیے یہ ایک مصدقہ حقیقت ہے۔ اسی حوالے سے میں خود بھی لندن میں خاص طور لنکنز ان دیکھنے گیا تھا۔

راقم الحروف نے جب بھی یہ واقعہ پڑھا تو اسے اس کے صحیح تناظر میں نہ سمجھ سکا کیونکہ بظاہر قائداعظم مغربی طرز حیات کا نمونہ نظر آتے تھے، وہی مغربی لباس، وہی انگریزی زبان، وہی اطوار۔۔۔ اس کے برعکس اس بنیاد پر لنکنز ان کو منتخب کرنے کا فیصلہ صرف وہی شخص کرسکتا تھا جس کا دل حب رسولؐ سے منور ہو کیونکہ عام حالات میں ایک سترہ سالہ کم سن نوجوان اور پھر لندن کی آزاد فضا میں کون ان باتوں کی پرواہ کرتا ہے۔ خاص طور پر جبکہ قائداعظم کا تعلق ایک تجارت پیشہ خوجہ فیملی سے تھا نہ کہ علامہ اقبال کی مانند ایک ٹھوس مذہبی گھرانے سے۔ بچپن کا ذکر میں اس لیے کر رہا ہوں کہ عام طور پر نوعمری کی تربیت کے شخصیت پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے قائداعظم کے لنکنز ان کے انتخاب کا صحیح پس منظر اور مفہوم اس وقت سمجھ میں آئے جب میں نے سید رضوان احمد کی کتاب **قائداعظم کی زندگی کے ابتدائی تیس سال** پڑھی۔ اس کتاب میں مصنف نے گہری تحقیق کے بعد قائداعظم کے بچپن کے بارے میں کچھ ایسی معلومات کا انکشاف کیا ہے جو اس سے قبل منظر عام پر نہیں آئی تھیں۔ مثلاً یہ کہ قائداعظم کے والد گرامی تجارت کے ساتھ ساتھ مشن ہائی سکول کراچی میں پڑھاتے بھی تھے لیکن انہوں نے اپنے بیٹے کو شروع میں سندھ مدرستہ الاسلام میں داخل کروایا کیونکہ مشن سکول میں عیسائیت کا پرچار بھی کیا جاتا تھا جبکہ سندھ مدرستہ الاسلام میں بچوں کی دینی تربیت پر توجہ دی جاتی تھی۔ مدرستہ الاسلام کے ریکارڈ کے مطابق محمد علی جناح کے نام کے سامنے والے خانے میں حسب رواج خوجہ لکھنے کے بجائے محمڈن لکھا گیا۔ قائداعظم سندھ مدرستہ الاسلام چھوڑ کر بمبئی گئے تو وہاں بھی انجمن اسلامیہ کے سکول میں داخل ہوئے۔ بعد ازاں لندن جانے سے قبل وہ مختصر عرصہ کے لیے کراچی مشن سکول میں بھی طالب علم رہے۔ سید رضوان احمد کی تحقیق کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح کے والد جناح بھائی پونجا مذہبی رجحانات رکھتے تھے اور شام کے وقت محلے کے بچوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے جبکہ قائداعظم کی والدہ بچوں

کو تاریخی کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قائداعظم کی تربیت قدرے مذہبی ماحول میں ہوئی اور اسی مذہبی تربیت کا اثر تھا کہ قائداعظم نے لندن میں لنکنز ان کا انتخاب کیا۔[1]

حصول تعلیم کے بعد عملی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے قائداعظم ۱۸۹۶ء میں بمبئی پہنچے۔ اس وقت ان کی عمر بیس برس تھی۔ اسلام اور مسلمانوں سے ان کی دلچسپی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے بمبئی میں فروکش ہوتے ہی انجمن اسلامی بمبئی کی سرگرمیوں میں دلچسپی لینا شروع کی اور اس کی میٹنگوں میں شرکت کرنے لگے۔ انہوں نے انجمن اسلامی بمبئی کی میٹنگ میں پہلی بار ۸ جولائی ۱۸۹۷ء کو شرکت کی اور پھر اسی سال ۱۴ اگست کو انجمن اسلامی نے عید میلاد النبیؐ کے ضمن میں جلسہ کیا تو قائداعظم اس میں بھی شریک ہوئے۔ عید میلاد النبیؐ کی تقریب پر نواب محسن الملک نے صدارت کی اور اس تقریب میں سیرت النبی پر تقریروں کے علاوہ نعتیں پڑھی گئیں اور سرور کائنات کی خدمت میں عقیدت کا نذرانہ پیش کیا گیا۔ قائداعظم کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ سیاسی و قانونی زندگی کی بے پناہ مصروفیات کے باوجود وہ اکثر عید میلاد النبیؐ کی تقریبات میں شرکت کرتے رہے۔

قائداعظم ۱۹۱۰ء میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل (اعلیٰ ترین قانون ساز اسمبلی) کے رکن منتخب ہوئے تو انہوں نے مسلمانوں کے ایک دیرینہ مسئلے کو حل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ پریوی کونسل کے ایک فیصلے کے نتیجے کے طور پر مسلمانوں کے روائتی نظام وقف الاولاد پر زد پڑی تھی جس سے نہ صرف مسلمانوں کے مفادات متاثر ہوئے تھے بلکہ ان کا ایک صدیوں پرانا سسٹم بھی غیر مؤثر ہو کر رہ گیا تھا۔ چنانچہ مسلمان نہایت پریشان تھے اور برطانوی حکومت کے سامنے اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے تھے۔ قائداعظم نے کونسل کا رکن منتخب ہونے کے بعد وقف الاولاد کا بل کونسل میں پیش کیا اور پھر ان کی کئی برس کی محنت اور مسلسل کوشش سے وہ قانون بن گیا۔ امپیریل لیجسلیٹو اسمبلی میں یہ پہلا بل تھا جو کسی مسلمان رکن نے مسلمانوں کے بارے میں پیش کیا اور وہ قانون بنا۔

۱۹۱۸ء میں انہوں نے بمبئی کی ممتاز شخصیت سر ڈنشا کی بیٹی رتی سے شادی کی تو شادی سے قبل قبول اسلام کی شرط رکھی۔ رتی ڈنشا پہلے مسلمان ہوئیں اور پھر ان کا نکاح محمد علی جناحؒ سے ہوا۔ مسلمان ہونے کے بعد ان کا نام مریم رکھا گیا۔ میں نے اس حقیقت کی مولانا شاہ احمد نورانی سے تصدیق کی ہے کہ محمد علی جناح رتی ڈنشا کو مولانا شاہ نورانی کے نگے تایا مولانا نذیر صدیقی کے پاس لے کر گئے جنہوں نے انہیں مسلمان کیا اور ان کا نکاح قائداعظم سے پڑھوایا۔ مولانا نذیر احمد صدیقی اہل سنت تھے اور مولانا نورانی صاحب کے بقول قائداعظم ان سے مذہبی معاملات میں رہنمائی لیا کرتے تھے۔ ان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور وہ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ قائداعظم نہایت ذہین اور محتاط انسان تھے اور ہر قدم سوچ کر اٹھاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق اثنائے عشری سے تھا اور اس میں کوئی شک

نہیں کہ ان کے خاندان کا مذہبی پس منظر یہی تھا تو پھر انہوں نے اپنی ہونے والی بیوی کو قبول اسلام اور اپنے عقد میں لینے کے لیے اور نکاح پڑھوانے کے لیے کسی ایسی مذہبی شخصیت کا انتخاب کیوں نہ کیا جس کا تعلق اثنائے عشری سے ہوتا۔ ظاہر ہے کہ شعیہ علماء کی بمبئی میں کوئی کمی نہ تھی اگر چہ میرے نزدیک یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ قائداعظم مذہبی فرقہ پرستی سے ماوراء تھے اور اس صورت حال کی بہتر وضاحت ان کے ایک جواب میں ملتی ہے۔ ایک دفعہ کسی صاحب نے محض شرارت کرنے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے قائداعظم سے یہ سوال پوچھا تھا کہ آپ کا تعلق سنی فرقے سے ہے یا شیعہ فرقے سے؟ تو قائداعظم کا جواب تھا کہ ہادی اسلام حضور نبی کریم ﷺ کا مذہب کیا تھا؟ یہ جواب ان کی سوچ، شخصیت اور مذہبی رجحان کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔

یہ ایک حیرت انگیز حقیقت اور دلچسپ اتفاق ہے کہ قائداعظم کی واحد اولاد یعنی ان کی بیٹی دینا جناح نے ۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۱۹ء کی درمیانی شب کو جنم لیا۔ ایک مؤرخ کے بقول ان کی دوسری اولاد اس کے صحیح اٹھائیس برس بعد ۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب کو معرض وجود میں آئی اور اس کا نام پاکستان رکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم اپنی اولاد کو دل و جان سے چاہتے تھے اور خاص طور دینا جناح ان کی زندگی کی پہلی محبت کی آخری نشانی تھی لیکن اس کے باوجود جب دینا نے کسی مسلمانوں نوجوان کی بجائے ایک پارسی عیسائی نوجوان نیوائل وادیا سے شادی کا فیصلہ کیا تو قائداعظم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سے تعلق توڑ لیا۔ دینا ان کے جگر کا ٹکڑا تھی۔ اس سے بیٹی کی حیثیت سے تعلقات رکھے جاسکتے تھے۔ ہمارے ہاں اس قسم کی لاتعداد مثالیں ہیں کہ لبرل قسم کے مسلمان مذہبی رشتہ ٹوٹنے کے باوجود اولاد سے سماجی تعلقات نبھاتے ہیں لیکن تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قائداعظم نے بیٹی سے مذہب کا رشتہ منقطع ہونے کے بعد اس سے ہر قسم کے رشتے توڑ لیے۔ دوستوں سے کبھی دینا کا ذکر تک نہ کیا جیسے ان کی کوئی اولاد ہی نہ تھی اور پھر مرتے دم تک دینا کی شکل نہ دیکھی۔ شادی کے بعد دینا نے چند ایک بار اپنے والد گرامی کو خطوط لکھے۔ قائداعظم نے ایک مہذب انسان کی مانند ان خطوط کے جوابات دیے لیکن ہمیشہ اپنی بیٹی کو ''ڈیر دینا'' یا پیاری بیٹی کہہ کر مخاطب کرنے کی بجائے مسز وادیا کے نام سے مختصر جوابات دیے۔ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان بننے کے بعد قائداعظم کی بیٹی مسز وادیا اپنے باپ سے ملنے اور اپنے باپ گورنر جنرل کو دیکھنے پاکستان آنا چاہتی تھی، اس نے اجازت چاہی، دوستوں نے قائداعظم سے درخواست کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ دینا پہلی اور آخری بار قائداعظم کی وفات کے موقع پر ہی پاکستان آسکی اور مرحوم باپ کی میت پر آنسو بہا کر واپس چلی گئی۔ حضرت قائداعظم کی نماز جنازہ ممتاز مذہبی شخصیت مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی جن کا مسلک اظہر من الشمس ہے۔[۲]

وزیر آباد کے جناب محمد شریف طوسی صاحب عالم و فاضل انسان تھے۔انہوں نے اس مشکل دور میں ملازمت کی مجبوری کے باوجود انگریزی زبان میں مسلمانوں کے مطالبات کے حق میں اتنے مدلل مضامین لکھے کہ تہلکہ مچا دیا۔ یہ مضامین قائداعظم کو بہت پسند آئے۔ چنانچہ قائداعظم نے انہیں ڈھونڈا اور بمبئی بلا کر چھ ماہ تک اپنے پاس رکھا۔اس طرح طوسی صاحب کو قائداعظم کو نزدیک سے دیکھنے اور ان کی ذاتی لائبریری کو کھنگالنے کا موقع ملا کیونکہ قائداعظم ان سے تحقیق اور لکھنے کا کام لیتے تھے۔طوسی صاحب کا بیان ہے کہ قائداعظم کی لائبریری میں سیرت النبی، اسلامی تاریخ و قانون اور خلفائے راشدین پر بہت سی کتابیں موجود تھیں اور قائداعظم اکثر اوقات خلفائے راشدین اور تفسیر پر کتابیں پڑھتے رہتے تھے۔

غزوہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے کہ جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہو چکی تو حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن جنہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، اپنے والد گرامی سے ملے اور کہنے لگے کہ غزوہ بدر کے دوران ایک مقام ایسا آیا کہ آپ کی گردن میری تلوار کی زد میں تھی لیکن مجھے فوراً خیال آیا کہ آپ میرے والد ہیں چنانچہ میں نے ارادہ بدل لیا۔اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر تمہاری گردن میری تلوار کی زد میں آ جاتی تو میں ہرگز باز نہ آتا اور تمہاری گردن مار دیتا۔گویا اسلام میں رشتے خون کے حوالے سے نہیں بلکہ دین کے حوالے سے قائم ہوتے ہیں۔حضرت قائداعظم نے اپنی اکلوتی بیٹی سے رشتہ توڑ کر اسی اصول کی پیروی کی کیونکہ دینا نے اسلام سے رشتہ توڑ لیا تھا۔

کچھ حضرات قائداعظم کی بیٹی کی وادیا سے شادی کو محمد علی جناحؒ کی انا کا مسئلہ قرار دے کر ''ذاتیات'' کا رنگ دیں گے لیکن اگر سارے واقعے کو اپنے صحیح پس منظر میں پرکھا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قائداعظم کے لیے یہ انا کا نہیں بلکہ دین ہی کا مسئلہ تھا۔سٹینلے والپرٹ اپنی کتاب **جناح آف پاکستان** میں لکھتا ہے کہ دینا نے وادیا سے شادی کا ارادہ کیا تو اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے والد سے کیا جنہوں نے کبھی اس کی بات کو ٹالا نہیں تھا۔قائداعظم نے اپنی بیٹی کو اس فیصلے سے باز رکھنے کے لیے بہت سمجھایا اور کہا کہ ہندوستان بہتر سے بہتر مسلمان نوجوانوں سے بھرا پڑا ہے تم جس مسلمان نوجوان کو بھی منتخب کرو گی وہ تم سے شادی کرنا اعزاز سمجھے گا۔میری خواہش ہے کہ تم کسی بھی مسلمان نوجوان سے شادی کرو۔جب دینا اپنی بات پر اڑی رہی تو قائداعظم نے یہ کہہ کر اس سے منہ موڑ لیا کہ آج سے میرا اور تمہارا رشتہ ختم ہے، جو چاہو کرو۔قائداعظم کا فقط اصرار یہ تھا کہ تم مسلمانوں میں شادی کرو، وہ کسی مخصوص نوجوان یا خاندان میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے کہ یہ ان کے لیے ذاتی انا کا مسئلہ ہوتا۔انہوں نے مسلمان کی شرط لگا کر واضح کر دیا تھا کہ یہ مسئلہ دین کا ہے، دنیا کا نہیں۔[۳]

مولانا حسرت موہانی نہایت درویش، صالح، حق گو، بیباک اور کھرے انسان تھے۔ وہ شاید مسلم لیگ کے واحد رکن تھے جو بھری میٹنگوں میں اٹھ کر قائد اعظم پر تنقید کر لیتے اور پھر قائد اعظم اپنے موقف کے حق میں دلائل دے کر انہیں مطمئن کرتے۔ انہوں نے ساری زندگی مسلم لیگ کے ساتھ رہ کر جدوجہد کرتے گزار دی، کئی بار جیل گئے اور قید بامشقت بھگتی۔ حصول پاکستان ان کا سب سے بڑا خواب تھا لیکن انہوں نے قیام پاکستان کے بعد ہجرت کرنے کی بجائے باقی ماندہ زندگی ہندوستان میں ہی گزار دی کیونکہ ان کی جدوجہد مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لیے تھی نہ کہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے۔ مالی تنگی اور عسرت کے باوجود مولانا حسرت موہانی نے گیارہ حج کئے اور اللہ تعالی نے انہیں بارہ عمرے نصیب کئے۔ مولانا حسرت موہانی کا کہنا ہے کہ ایک بار وہ صبح ہی صبح ایک نہایت ضروری کام کے سلسلے میں قائداعظم کے گھر پہنچے کیونکہ انہیں علم تھا کہ قائداعظم سحر خیز ہیں۔ چوکیدار نے انہیں انتظار کے کمرے میں بٹھا دیا کہ ابھی صاحب باہر نہیں نکلے آپ انتظار کریں۔ مولانا حسرت موہانی قدرے بے چین طبعیت کے مالک تھے۔ کچھ دیر تو انتظار کرتے رہے پھر سوچا میں خود ہی ان کو تلاش کر لیتا ہوں۔ مولانا حسرت موہانی کا بیان ہے کہ وہ کمرے کے درمیانی دروازے سے دوسرے کمرے میں داخل ہوئے اور اس کمرے کا پردہ اٹھا کر اگلے کمرے میں گئے تو انہیں کسی شخص کے رونے اور آہ وزاری کی آواز آئی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ رونے کی آواز سن کر پریشان ہوئے اور رک گئے۔ پھر یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کون رو رہا ہے، انہوں نے خاموشی سے اگلے کمرے کا پردہ سرکا کر دیکھا تو حیران رہ گئے کہ قائداعظم سجدے میں گرے ہوئے تھے اور گڑگڑا کر رو رہے تھے۔ مولانا حسرت موہانی کا کہنا ہے کہ وہ یہ منظر دیکھ کر دبے پاؤں واپس آ گئے۔ ظاہر ہے سجدے میں گر کر وہی شخص گڑگڑائے گا جس کے دل میں خوف خدا ہو اور جس کا باطن یقین کامل، حب الہی اور سوز دروں کے نور سے مالا مال ہو۔

مولانا حسرت موہانی کا ذکر ہوا تو یاد آیا کہ محترم ظہیر الاسلام فاروقی صاحب نے اپنی کتاب **مقصد پاکستان**[۴] میں لکھا ہے کہ مولانا حسرت موہانی ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے سلسلے میں ملک بھر کے دورے کر رہے تھے۔ ایک بار ریل کے سفر کے دوران مستقبل کے حوالے سے گفتگو چل نکلی تو مولانا نے کہا آپ فکر نہ کریں انشاءاللہ پاکستان بن کر رہے گا۔ اس سے آگے کی فکر کریں۔ پیر علی محمد راشدی صاحب نے پوچھا کہ آپ کو اس قدر یقین کیوں ہے کہ پاکستان بہر حال بن کر رہے گا کیونکہ کانگریس اور انگریز حکومت دونوں اس مطالبے کے مخالف ہیں۔ مولانا نے جواب دیا کہ مجھے اس لیے یقین ہے کہ مجھے خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپؐ نے مجھے قیام پاکستان کی بشارت دی۔ آپ اس سے اندازہ کیجیے کہ مولانا حسرت موہانی خود کتنی عظیم اور روحانی حوالے سے کتنی بزرگ ہستی تھے جنہیں خواب میں حضورؐ کی زیارت نصیب ہوئی اور جنہیں خود حضورؐ نے بشارت دی۔

قائداعظم کے کردار کی عظمت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور زمانہ گواہ ہے کہ وہ ایک سچے، کھرے، با اصول اور باوقار انسان تھے۔ ان کے بدترین دشمن بھی ان کے کردار کی عظمت کے معترف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانانِ ہندو پاکستان ان پر جان چھڑکتے تھے اور ان پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔ میرے نزدیک قائداعظم کی راست گوئی اور عظمت کردار سیرت النبیؐ کے گہرے مطالعے کا اعجاز تھی۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ قائداعظم کوئی روحانی بزرگ صوفی یا مذہبی شخصیت نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی ایسا دعویٰ کیا۔ وہ بار بار کہتے رہے کہ میں ''مولانا'' نہیں ایک عام مسلمان ہوں۔ بشری کمزوریوں سے پاک شخصیات صرف انبیاء اور اولیاء کی ہوتی ہیں۔ قائداعظم بھی بہرحال ایک بشر ہی تھے اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں وہ نمود و نمائش، منافقت اور دوہرے معیار سے نفرت کرتے تھے۔ ان کی تقریریں اور ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ان کے باطن اور دل کی گہرائیوں کی عکاسی کرتے تھے اور انہوں نے کبھی عوام کو جذبات میں بہلانے، بہکانے یا اپنے بارے میں غلط تاثر دینے کی کوشش نہیں کی۔

قائداعظم کے مزاج کے اس پس منظر میں ان کی تقریریں پڑھیں تو احساس ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے محبت، اسلام کی بقاء اور عظمت، اسوہ حسنہ، اپنے ضمیر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی جیسے احساسات و تصورات ان کے خون میں شامل تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی تقریریں ان الفاظ اور ترکیبات سے اس قدر معطر ہیں کہ ہر دوسری تیسری سطر میں مسلمان اور اسلام کے الفاظ سجے ہوئے ہیں۔ ان تقریروں کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قائداعظم ہمہ وقت مسلمان اور اسلام کے بارے میں سوچتے رہتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے حقوق، مسلمانوں اور اسلام کے مستقبل کے حوالے سے سینکڑوں تقریریں کیں اور ان میں بار بار کہا کہ ہمیں کہیں سے بھی جمہوریت کا سبق لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم نے جمہوریت آج سے تیرہ سو برس پہلے سیکھ لی تھی، جمہوریت ہمیں اسلامی ورثے میں ملی ہے، اسوہ حسنہ ہمارے لیے نمونہ ہے اور نبی کریمؐ نے جس طرح یہودیوں اور دوسری اقلیتوں سے معاہدے کیے ہم انہی اصولوں سے روشنی حاصل کر کے اقلیتوں کو برابر کے حقوق دیں گے۔ ظاہر ہے کہ قائداعظم بار بار یہ باتیں صرف اس لیے کرتے رہے کہ یہ ان کی سوچ و فکر اور باطنی شخصیت کا پختہ حصہ تھیں اور وہ ان پر مکمل یقین رکھتے تھے ورنہ وہ عوامی داد یا سستی شہرت سے ہمیشہ دور رہے۔

مسلمانوں سے بے لوث محبت، اسلام سے گہرا لگاؤ، ضمیر کی گواہی اور خدا کے سامنے جوابدہی صرف اور صرف ایک سچے مسلمان کی شخصیت کا ہی حصہ ہو سکتے ہیں اور میرے نزدیک یوم حساب کا خوف بخشش کا ذریعہ ہے۔ اس حوالے سے قائداعظم کی آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۳۹ء میں کی گئی تقریر کے چند فقرے نمونے کے طور پر پیش خدمت ہیں انہیں پڑھیے اور غور کیجیے۔ ان الفاظ کے باطن میں جھانکیے تو آپ کو اصل جناح کا سراغ

ملے گا، وہ جناح جو بظاہر انگریزی بولتا، مغربی لباس پہنتا اور مغربی طور طریقوں پر عمل کرتا تھا لیکن وہ باطنی طور پر اس کے برعکس تھا۔

> مسلمانو، میں نے دنیا کو بہت دیکھا۔ دولت، شہرت اور عیش و عشرت کے بہت لطف اٹھائے اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ میں مسلمانوں کو آزاد اور سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی۔ میں آپ کی داد اور شہادت کا طلب گار نہیں ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل، ایمان اور میرا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا، جناح تم مسلمانوں کی حمایت کا فرض بجالائے۔ میرا خدا یہ کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبے میں علم اسلام کو سربلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے۔[۵]

یوم حساب خدا کے حضور سرخروی کا خیال، مسلمانوں اور اسلام کی سربلندی کا علم بلند کئے ہوئے مرنے کی آرزو اور رضائے الٰہی کی تمنا صرف اور صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو سرتا پا سچا مسلمان اور پکا مومن ہو اور جس کا باطن خوف خدا کے نور سے منور ہو۔ غور کیجیے کہ جب قائداعظم نے یہ تقریر کی اس وقت ان کی عمر تقریباً ۵۳ سال تھی اور ان کی شہرت اوج ثریا پر تھی۔

اس پس منظر میں جب میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک خواب کا احوال پڑھتا ہوں تو میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ خواب سچا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نہ صرف عالم و فاضل شخصیت اور مفسر قرآن تھے بلکہ ایک بلند روحانی مرتبہ بھی رکھتے تھے اور ان کے لاکھوں معتقدین ہند و پاکستان میں بکھرے ہوئے ہیں۔ **تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی** کے مصنف منشی عبدالرحمٰن نے صفحہ نمبر ۱۱۱ پر لکھا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کے خواہرزادے مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت تھانوی نے مجھے بلایا اور فرمایا ''میں خواب بہت کم دیکھتا ہوں مگر آج میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ ایک بہت بڑا مجمع ہے گویا کہ میدان حشر معلوم ہو رہا ہے۔ اس مجمع میں اولیاء، علماء اور صلحا کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور مسٹر محمد علی جناح بھی عربی لباس پہنے ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ یہ اس مجمع میں کیسے شامل ہو گئے تو مجھ سے کہا گیا کہ محمد علی جناح آج کل اسلام کی بڑی خدمت کر رہے ہیں اسی واسطے ان کو یہ درجہ دیا گیا ہے''۔ یقیناً اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا اتنا سا صلہ تو ضرور ہوگا۔ انہی مولانا اشرف علی تھانوی نے ۴ جولائی ۱۹۴۳ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو طلب کیا اور فرمایا ''۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کو کامیابی نصیب ہوگی۔ میرا وقت آخری ہے۔ میں زندہ رہتا تو ضرور کام کرتا۔ مشیت ایزدی یہی ہے کہ مسلمانوں کے

لیے ایک علیحدہ وطن قائم ہو۔ قیام پاکستان کے لیے جو کچھ ہو سکے کرنا اور اپنے مریدوں کو بھی کام کرنے پر ابھارنا۔ تم دونوں عثمانیوں میں سے ایک میرا جنازہ پڑھائے گا اور دوسرا عثمانی جناح صاحب کا جنازہ پڑھائے گا''۔ ۶:۷

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قیام پاکستان سے کئی برس قبل اللہ کو پیارے ہو گئے لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ پاکستان قائم ہوا، مولانا ظفر عثمانی نے تھانوی صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی اور سوا پانچ سال قبل کی گئی پیشن گوئی کے مطابق قائداعظم کی نماز جنازہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی۔

قائداعظم سیاست میں مذہب کے عمل دخل کو پسند نہیں کرتے تھے اور شاید وہ سمجھتے تھے کہ مذہب اور سیاست کے ملاپ سے انتہا پسندی کے دروازے کھلیں گے جس سے مسلمانوں اور بعد ازاں پاکستانی قوم کا اتحاد بری طرح متاثر ہوگا۔ ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو مرکزی قانون ساز اسمبلی میں آزاد رکن کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ''میں حزب مخالف کے قائد سے پوری طرح متفق ہوں کہ مذہب، نسل اور زبان کو سیاست میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ مذہب انسان اور خدا کا معاملہ ہے لیکن براہ کرم غور کیجیے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ مذہب کا معاملہ نہیں بلکہ میں تو اقلیتوں کی بات کر رہا ہوں جو ایک سیاسی مسئلہ ہے کیونکہ ہمارے ملک میں اقلیتوں کے مسائل ہیں اور ہمیں ان مسائل کو حل کرنا ہے''۔ [۸] اسی تقریر میں آگے چل کر اقلیت کی تشریح کرتے ہوئے قائداعظم کہتے ہیں کہ اقلیت کا مذہب، تمدن، کلچر اور بعض اوقات آرٹ میوزک بھی اکثریت سے مختلف ہوتا ہے اس لیے اقلیت کو تحفظات کی ضرورت ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ اپنے سیاسی کیریئر کے آغاز میں محمد علی جناح مسلمانوں کے بحیثیت اقلیت تحفظات کے خلاف تھے۔ محمد علی جناح نے اولین بار ۲۸ جولائی ۱۹۰۴ء کو کانگرس کے اجلاس میں شرکت کی۔ کانگرس کے اجلاس منعقدہ ۲۸ دسمبر ۱۹۰۶ء میں ایک مسلمان ممبر نے ایک قرارداد کے ذریعے مسلمانوں کے لیے کوٹے کا مطالبہ کیا جس کی مخالفت کرتے ہوئے محمد علی جناح نے کہا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو برابر سمجھا جائے اور ان سے ایک جیسا سلوک کیا جائے کیونکہ کانگرس کی بنیاد ہی برابری کے اصول پر رکھی گئی ہے۔ [۹] یہی محمد علی جناح بعد ازاں مسلمانوں کے سب سے بڑے راہنما بن کر ابھرے اور قیام پاکستان تک مسلمانوں کے لیے نہ ہی صرف حقوق اور تحفظات بلکہ جداگانہ حق رائے دہی کے لیے دن رات جد و جہد کرتے رہے۔ کانگرس اور ہندو اکثریت کے ارادے بھانپنے کے بعد قائداعظم نے مسلمانوں کو اقلیت کے چکر سے نکال کر ایک منفرد قوم ثابت کیا اور اسی قومیت کے حوالے سے ایک علیحدہ خطہ زمین کے حصول کو اپنی منزل بنالیا۔

دراصل قائداعظم کو زندگی بھر اقلیتوں کے مسئلے سے واسطہ رہا اور وہ اس سے نپٹنے کی کوششیں کرتے رہے۔ متحدہ ہندوستان میں مسلمان سب سے بڑی اقلیت تھے اور اس اقلیت کے سب سے بڑے رہنما محمد علی جناح تھے۔

چنانچہ متحدہ ہندوستان کا خواب ٹوٹنے کے بعد (جس کا نقطہ عروج ۱۹۴۸ء کی نہرو رپورٹ کو قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ قائداعظم نے اسے پارٹنگ آف دی ویز یعنی راستوں کی علیحدگی قرار دیا تھا) قائداعظم پہلے پہل مسلمان اقلیت کے حقوق اور بعدازاں مسلمان قوم کے حقوق کے لیے اس وقت تک مسلسل لڑتے رہے جدوجہد کرتے رہے جب تک قیام پاکستان کے امکانات واضح نہیں ہوئے۔ مسلمان اقلیت سے مسلمان قوم کے سفر میں ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور یا قرارداد پاکستان ایک طرح سے اہم ترین سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے بعد قائداعظم اور مسلم لیگ کا موقف یہ رہا کہ مسلمان ایک اقلیت نہیں بلکہ ہر تعریف، معیار اور تصور کے مطابق ایک قوم ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قومیت کی اہم ترین بنیاد مذہب تھی۔ اسی طرح جب قیام پاکستان کا مرحلہ قریب آیا تو قائداعظم کے لیے سب سے اہم سوال اور مسئلہ پھر اقلیتوں کا تھا کیونکہ پاکستان میں بھی کئی مذہبی اقلیتیں آباد تھیں اور ادھر ہندوستان میں بھی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کی ہی تھی جس کے تحفظ کے لیے قائداعظم پریشان رہتے تھے۔[۱۰] چنانچہ قیام پاکستان سے چند ماہ قبل اور چند ماہ بعد تک ان سے بار بار اقلیتوں کے مستقبل کے بارے میں سوالات پوچھے جاتے رہے جس کی وہ بار بار وضاحت کرتے رہے۔ اس دور میں قائداعظم نے جو تقاریر کیں یا بیانات دئے ان کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ اس مسئلے کے تناظر میں کرنا چاہیے۔

اس ضمن میں قائداعظم کے خیالات سمجھنے کے لیے ان کی اس پریس کانفرنس کا حوالہ دینا ضروری ہے جو انہوں نے پاکستان کا گورنر جنرل نامزد ہونے کے بعد ۱۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو نئی دہلی میں کی۔ اقلیتوں کے ضمن میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ''میں اب تک بار بار جو کچھ کہتا رہا ہوں اس پر قائم ہوں۔ ہر اقلیت کو تحفظ دیا جائے گا۔ ان کی مذہبی رسومات میں دخل نہیں دیا جائے گا اور ان کے مذہب، اعتقاد، جان و مال اور کلچر کی پوری حفاظت کی جائے گی۔ وہ ہر لحاظ سے پاکستان کے برابر کے شہری ہوں گے''۔ اسی پریس کانفرنس میں جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا پاکستان ایک مذہبی (Theocratic) ریاست ہوگی؟ تو قائداعظم نے کہا ''آپ مجھ سے ایک فضول سوال پوچھ رہے ہیں۔ گویا میں اب تک جو کچھ کہتا رہا ہوں وہ رائیگاں گیا ہے۔ آپ جب جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال قبل سیکھ لی تھی''۔[۱۱] سوال یہ ہے کہ تیرہ سو برس قبل مسلمانوں نے کونسی جمہوریت سیکھی تھی؟ کیا وہ سیکولر جمہوریت تھی یا نظریاتی اور اسلامی جمہوریت؟

اس بحث کی ایک اہم کڑی قائداعظم کی ۱۱، اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر ہے جو انہوں نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا پہلا صدر منتخب ہونے پر اسمبلی میں کی۔ یہی وہ تقریر ہے جس کی توضیح یا تشریح کر کے کچھ حضرات یہ مفہوم نکالتے ہیں کہ قائداعظم پاکستان کے لیے سیکولر جمہوری نظام چاہتے تھے جبکہ دوسرا مکتبہ فکر اس توضیح سے اس بنیاد پر اختلاف کرتا ہے کہ اول تو قائداعظم

کی تقریر سے ہرگز یہ مفہوم نہیں نکلتا اور دوم یہ تاثر غیر منطقی ہے کیونکہ قائداعظم جیسے لیڈر کی ایک تقریر کو ان کی دوسری لاتعداد تقریروں اور بیانات سے جو انہوں نے اس سے قبل یا بعد ازاں دیئے، الگ یا علیحدہ کر کے صحیح نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

سوال یہ ہے کہ قائداعظم نے گیارہ اگست کی تقریر میں کیا کہا جو اس قدر بحث و نزاع کا سبب بن گیا۔ دراصل انہوں نے اس تقریر میں ان بنیادی مسائل کی نشاندہی کی جو پاکستان کو اس وقت درپیش تھے اور اس کے ساتھ ساتھ بابائے قوم (فادر آف نیشن) ہونے کے ناطے کچھ نصیحتیں بھی کیں۔ اس تقریر کا مکمل ادراک حاصل کرنے کے لیے پوری تقریر کو اس کے سیاق و سباق اور پس منظر میں پڑھنا ضروری ہے۔ قائداعظم نے کہا کہ ہم آپ کی مدد سے اس اسمبلی کو مثالی بنائیں گے۔ اس اسمبلی نے بیک وقت دستور سازی اور قانون سازی کے فرائض سرانجام دینے ہیں جس کے سبب ہم پر نہایت اہم ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ حکومت کا پہلا فرض امن عامہ قائم کرنا ہے تاکہ شہریوں کی جائیداد اور مذہبی اعتقادات کی حفاظت کی جا سکے۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ رشوت اور کرپشن ہے۔ اس اسمبلی کو اس زہر کے خاتمے کے لیے موثر اقدامات کرنے ہیں ایک اور لعنت بلیک مارکیٹنگ یعنی چور بازاری ہے جس کا تدارک آپ کو کرنا ہے۔ اسی طرح ہمیں اقرباء پروری اور ظلم و زیادتی کو بھی کچلنا ہے۔ مجھے علم ہے کہ کچھ لوگوں نے بنگال اور پنجاب کی تقسیم کو تسلیم نہیں کیا۔ میرے نزدیک اس مسئلے کا اور کوئی حل نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ اگر ہم پاکستان کو خوشحال اور عظیم ریاست بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں ہمہ وقت عوام کی خوشحالی اور بہتری پر توجہ دینا ہوگی۔ اگر آپ ماضی کی تلخیوں کو دفن کر کے رنگ و نسل اور عقیدے کے اختلافات کو پس پشت ڈال کر تعاون اور برابری کی فضا میں کام کریں گے تو آپ کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہو گی۔ اگر ہم اس جذبے کے ساتھ کام کریں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکثریت اور اقلیت، مسلمان اور ہندو، کے درمیان پیچیدگیاں ختم ہو جائیں گی کیونکہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان میں بھی پٹھان، پنجابی، شعیہ، سنی وغیرہ ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں میں برہمن، وشنا ویس کھتری، بنگالی اور مدراسی ہیں۔ یہی تقسیم ہندوستان کی آزادی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ رہی ہے۔ ہمیں اس سے سبق سیکھنا چاہیے۔ آپ آزاد ہیں مندر میں پوجا کریں یا مسجد میں عبادت کریں۔ آپ کا کس مذہب، ذات یا عقیدے سے تعلق ہے، اس سے حکومت کو سروکار نہیں۔ کسی زمانے میں انگلستان کے حالات نہایت خراب تھے اور وہاں رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا آغاز ان سے بہت بہتر ہے۔ آج انگلستان میں رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کے درمیان اختلافات ختم ہو چکے ہیں اور وہ اپنے ملک کے یکساں شہری ہیں۔ اگر آپ بھی اپنے سامنے یہی آئیڈیل رکھیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرق مٹ جائے گا، مذہب کے حوالے سے نہیں کیونکہ ہر شخص کا اپنا مذہب ہوتا ہے بلکہ سیاسی حوالے سے کیونکہ سبھی ایک ریاست کے شہری ہوں گے"۔[۱۲]

اس تقریر کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کا نفس مضمون اور مدعا اقلیتوں کو احساس تحفظ اور بحیثیت شہری برابری کا پیغام دینا ہے اور قوم کو اتحاد کی تلقین کرنا ہے جس میں پاکستان کی ترقی کا راز مضمر ہے کیونکہ ہندوستان میں یہ پراپیگنڈہ جاری تھا کہ پاکستان ایک مذہبی ریاست ہوگی جہاں اقلیتوں کو غلام بنا کر رکھا جائے گا۔اس تقریر میں قائداعظم نے رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کا ذکر کیا جو کہ عیسائیت کے دو فرقے ہیں وہ اسلام اور ہندو مت کی مانند دو مختلف مذاہب نہیں ۔اس تقریر سے قبل اور بعد ازاں بھی قائداعظم اقلیتوں کو یقین دہانیاں کراتے رہے اور بار بار یہ کہتے رہے کہ Tolerance اسلام کا بنیادی اصول ہے ۔چنانچہ قائداعظم نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دستور ساز اسمبلی کے افتتاح کے موقع پر ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے بھی اپنے اسی نقطہ نظر کو دہرایا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اقلیتوں کے حوالہ سے مغل بادشاہ اکبر کی فراخدلی کا ذکر کیا تھا جس کے جواب میں قائداعظم نے کہا کہ ''اکبر بادشاہ نے جس فراخدلی کا مظاہرہ کیا وہ ہمارے لیے کوئی نئی بات نہیں ۔اس کا آغاز تیرہ سو برس پہلے ہو گیا تھا جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے بعد نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور پر یہودیوں اور عیسائیوں سے فراخدلانہ سلوک کیا اور ان کے عقائد کا احترام کیا۔مسلمانوں کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

میرا تاثر یہ ہے کہ گیارہ اگست کی قائداعظم کی تقریر کا مقصد اقلیتوں کو احساس تحفظ دینا تھا نہ کہ کسی سیکولر نظام کی بنیاد رکھنا۔میرے اس تاثر کی تصدیق قائداعظم کے ایک انٹرویو سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو رائٹر کے ایک نمائندے کو دیا۔اس انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ میں دستور ساز اسمبلی کی افتتاحی تقریر (۱۱ اگست) میں یہ واضح کر چکا ہوں کہ اقلیتوں سے پاکستان کے شہریوں جیسا سلوک کیا جائے گا اور ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو دوسروں کو حاصل ہوں گے۔ پاکستان غیر مسلم اقلیتوں میں احساس تحفظ اور اعتماد پیدا کرنے کے لیے سب کچھ کرے گا۔[۱۳]

مشکل یہ ہے کہ ہمارے دانشور حضرات ۱۱ اگست والی تقریر کی تشریح و توضیح پر تو بہت زور صرف کرتے ہیں لیکن ۲۵ اکتوبر والی تقریر کا ذکر نہیں کرتے جس میں خود قائداعظم نے گیارہ اگست کی تقریر کے حوالے سے اپنے مدعا کی وضاحت کی تھی۔مختصر یہ کہ ہمارے دانشوروں کا ایک طبقہ قائداعظم کی محض ایک تقریر کے چند فقروں کو اپنے سیاق وسباق سے الگ کر کے اپنے من پسند مفہوم نکال لیتے ہیں اور پھر یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ قائداعظم سیکولر نظام کے حامی تھے۔

یہ بات ثابت ہو چکی بلکہ طے ہو چکی کہ قائداعظم نجی زندگی میں مذہب کے اصولوں پر عمل کرنے کی حتی الوسع کوششیں کرتے تھے، انہوں نے ذاتی زندگی میں جو اہم فیصلے کیے اس میں اسلام کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔انہوں نے اسلام قرآن اور سیرت النبی کا گہرا مطالعہ کر رکھا تھا اور جب وہ بار بار اپنی تقریروں میں یہ کہتے تھے کہ قرآن ہماری سوچ کا منبع ہے، اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اسوہ حسنہ ہمارے لیے ایک نمونہ ہے تو یہ باتیں محض زبان کا کارنامہ نہیں تھی

بلکہ ان کے تیقن اور باطن کا حصہ تھیں اور ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلتی تھیں۔ سیاسی زندگی کے حوالے سے چار دہائیوں پر مشتمل ان کی سینکڑوں تقریریں، بیانات اور انٹرویو اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ انہیں اسلام سے گہرا لگاؤ تھا لیکن اس کے باوجود وہ ہرگز مولوی، صوفی یا مذہبی قسم کے انسان نہیں تھے۔ وہ سچائی، راست گوئی، اصول پرستی، اخلاص، یقین محکم، کردار کی عظمت، اسلام اور مسلمانوں سے بے لوث سچی محبت کی اعلیٰ مثال تھے۔ خاص طور پر قیام پاکستان کے بعد کی تقریروں میں ان کے اقوال و افکار پر مذہب کے گہرے اثرات دکھائی دیتے ہیں اور انہیں تقریروں کا غور سے مطالعہ کر کے قائداعظم کا تصور پاکستان سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ پاکستان کے لیے کس قسم کا سماجی و سیاسی نظام، دستور اور حکومتی ڈھانچہ چاہتے تھے لیکن زندگی نے انہیں مہلت نہ دی اور وہ اپنے اس خواب کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

یوں تو قائداعظم کی تقاریر میں اس قسم کے بہت سے حوالے ملتے ہیں لیکن میں اس بحث کو سمیٹنے کے لیے فقط چند ایک مطبوعہ بیانات کا ذکر کروں گا جس سے اندازہ ہوگا کہ قائداعظم کے خیالات میں ایک تسلسل تھا اور وہ مسلسل کیا کہتے رہے، یہی بیانات اس امر کی شہادت دیں گے کہ کیا قائداعظم سوچ کے حوالے سے سیکولر تھے؟ کیا وہ پاکستان کے لیے ایک سیکولر جمہوری نظام چاہتے تھے؟

نومبر ۱۹۴۵ء میں قائداعظم نے پشاور میں کہا ''آپ نے سپاسنامے میں مجھ سے پوچھا ہے کہ پاکستان میں کون سا قانون ہوگا۔ مجھے آپ کے سوال پر سخت افسوس ہے۔ مسلمانوں کا ایک خدا، ایک رسول اور ایک کتاب ہے، یہی مسلمانوں کا قانون ہے اور بس۔ اسلام پاکستان کے قانون کی بنیاد ہوگا اور پاکستان میں کوئی قانون اسلام کے خلاف نہیں ہوگا''۔[۱۴] ۱۴ فروری ۱۹۴۷ء کو شاہی دربار سبی، بلوچستان میں تقریر کرتے ہوئے کہا ''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں''۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لاہور میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''اگر ہم قرآن حکیم سے راہنمائی حاصل کریں تو بالآخر فتح ہماری ہوگی۔ میرا آپ تمام لوگوں سے یہی مطالبہ ہے کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔[۱۵] ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو عید میلاد النبیؐ کے موقع پر کراچی بار ایسوسی ایشن کے استقبالیئے میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے وکلاء کے سامنے ان حضرات کو بے نقاب کیا جو ان کے حوالے سے غلط فہمیاں پھیلا رہے تھے۔ اس وقت قائداعظم پاکستان کے گورنر جنرل بھی تھے اس لیے ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ ''پالیسی بیان'' کی حیثیت رکھتا تھا۔ قائداعظم کے الفاظ پر غور کیجیے اور ان الفاظ کے آئینے میں ان چہروں کو تلاش کیجیے جنہیں قائداعظم نے شرارتی اور منافق کہا۔ قائداعظم نے کہا ''میں ان لوگوں کے عزائم نہیں سمجھ سکا جو جان بوجھ کر شرارت کر رہے ہیں اور یہ پراپیگنڈہ کر رہے ہیں

کہ پاکستان کے آئین کی بنیاد شریعت پر نہیں ہوگی۔ ہماری زندگی پر آج بھی اسلامی اصولوں کا اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہوتا تھا۔ اسلام نے ہمیں جمہوریت سکھائی ہے اور مساوات اور انصاف کا سبق دیا ہے اس لیے کسی کو بھی خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں''۔[۱۶]

پھر فروری ۱۹۴۸ء میں قائداعظم نے امریکی عوام کے نام ایک ریڈیو پیغام میں یہ واضح الفاظ کہہ کہ نہ صرف ہر قسم کے شکوک وشبہات کی دھند صاف کر دی بلکہ اس بحث کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سمیٹ دیا۔ قائداعظم نے فرمایا'' پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ابھی دستور بنانا ہے۔ مجھے علم نہیں کہ اس کی حتمی شکل وصورت کیا ہوگی؟ لیکن مجھے یقین ہے کہ پاکستان کا آئین جمہوری قسم کا ہوگا جسے اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق تشکیل دیا جائے گا۔ اسلام کے اصول آج بھی عملی زندگی پر اسی طرح لاگو ہوتے ہیں جس طرح تیرہ سو برس قبل ہوتے تھے۔ اسلام نے ہمیں جمہوریت سکھائی ہے اور مساوات اور انصاف کا سبق دیا ہے۔ ہم ان شاندار روایات کے امین اور وارث ہیں اور دستور سازی میں انہی سے راہنمائی حاصل کی جائے گی۔ بہر حال پاکستان ایک تھیوکریٹ (مذہبی ریاست نہیں ہوگی اور یہاں تمام اقلیتوں ہندو، عیسائی، پارسی کو بحیثیت شہری وہی حقوق حاصل ہوں گے جو دوسرے شہریوں کو حاصل ہوں گے''۔[۱۷]

قائداعظم کی تقریروں کو پڑھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ درمیانی فاصلوں کے باوجود وہ ایک ہی تسبیح کے دانے اور ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں جن میں کہیں بھی جھول یا انحراف موجود نہیں۔ وہ شروع سے آخر تک تسلسل سے یہ کہتے رہے ہیں کہ قرآن ہماری سوچ وفکر کا منبع اور راہنما ہے، اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے، سیرت النبیؐ ہمارے لیے اعلیٰ ترین نمونہ ہے، جمہوریت، مساوات اور انصاف ہم نے اسلام سے سیکھا ہے اور اسلام نے جمہوریت کی بنیاد تیرہ سو برس قبل رکھ دی تھی اس لیے ہمارے لیے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوں گے اور یہ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں، عیسائیوں سے جس فراخدلی کا مظاہرہ کیا تھا ہم اس پر عمل کریں گے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کے آئین کی بنیاد شریعت پر نہیں رکھی جائے گی وہ سازشی اور منافق ہیں اور آخر میں یہ کہہ کر تمام شکوک وشبہات کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی کہ پاکستان کا آئین جمہوری ہوگا اور اس کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی جائے گی۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیجیے کہ کیا قائداعظم ذہنی طور پر سیکولر تھے اور کیا وہ پاکستان کے لیے کسی سیکولر نظام کا خواب دیکھتے تھے؟

حوالہ جات

۱۔ سید رضوان احمد۔ قائداعظم کی زندگی کے ابتدائی سال، (لاہور، آتش فشاں پبلیکیشنز، ۱۹۸۷ء)، ص ۶۵۔

۲۔ Stanley wolpert. *Jinnah of Pakistan, (New york, Oxford University press, 1984),P.370.*

۳۔ ایضاً۔

۴۔ ظہیر السلام فاروقی، مقصد پاکستان، (لاہور، مجلس اخوت اسلامیہ، ۱۹۸۱ء)، ص ۲۲۱۔

۵۔ نوائے وقت، ۱۲ اکتوبر، ۱۹۳۹ء۔

۶۔ منشی عبدالرحمن۔ قائداعظم کا مذہب و عقیدہ، (ملتان، پ ن)، ص ۲۴۹۔

۷۔ ملک حبیب الرحمن۔ قائداعظم کی شخصیت کا روحانی پہلو، (لاہور، پ ن، ۱۹۹۸ء)، ص ۵۹۔۶۰۔

۸۔ Khursheed Ahmad Yusafi, *Speeches and Messeges of the Quaid-i-Azam,* (Lahore, Bazm-i-Iqbal, 1996), p 69-70

۹۔ Dr Riaz Ahmad. *The Works of Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnal-vol.I,* (1893-1912), (Chair on Quaid-i-Azam and Freedom movement, NIPS, Quaid-i-Azam University,Islamabad. 1996),p.81.

۱۰۔ M.Rafique Afzal (ed), *Selected Speeches and Statements of Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah*(1911-1934 and 1947-48), (Lahore, Research Society of Pakistan, University of Punjab, 1973), p .447-48.

۱۱۔ S.M.Burk. *Jinnah: Speeches and Statements,*(Karachi, Oxford University Press, 2000),p.12-16.

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۵۔۲۹۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۶۱۔

۱۴۔ ملک حبیب اللہ، حوالہ سابقہ، ص ۱۲۳۔

۱۵۔ رفیق افضل، حوالہ سابقہ، ص ۴۴۷۔۴۴۸۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۵۵۔

۱۷۔ ایس۔ایم۔ برک، حوالہ سابقہ، ص ۱۲۵۔